شہداء فی سبیل اللہ کا مرتبہ

مفتی سیاح الدین آف کاکاخیل

(۴)

روایات میں آتا ہے کہ جب قریش مکہ نے بڑی زبردست تیاریوں کے ساتھ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ فرمایا کہ قریش مکہ حملہ آور لشکر کی مدافعت کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر دفاع کیا جائے جیسا کہ بعد میں غزوہ خندق میں کیا گیا، مگر اکثر صحابہؓ کی جن میں زیادہ تر نوجوان تھے، یہ رائے تھی کہ باہر نکل کر احد کے پاس رُوبرو مقابلہ ہو، اور یہ محض جوانی کے گرم خون کا جوش نہ تھا۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے شہادۃ فی سبیل اللہ کے فضائل سُنے تھے۔ اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ بہت بڑا درجہ اُسی وقت ملے گا جب میدان میں نکل کر مقابلہ ہو۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو جو تسلی دی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے: وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ۔ وہ دراصل اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے خود شہادت حاصل ہونے کی آرزو کی تھی اور اسی شوق میں باہر نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ اُحد میں ستر مسلمان اس لیے شہید ہوئے کہ یہ اُن کی قلبی خواہش تھی۔ ان شہداء اُحد کو شہادت کے بعد جو مراتب و مدارج ملے اُن کا ذکر

اُس آیت میں کیا گیا ہے جو اُس نے آغازِ مقالہ میں لکھی ہے۔

مسلم شریف اور ترمذی میں مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک جہاد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔ ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ یہ ارشادِ نبوی سن کر ایک شخص جس نے بالکل معمولی کپڑے پہنے تھے۔ اور اُس کی بالکل سادہ سی شکل وصورت تھی، اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا: اے ابوموسیٰ! کیا تو نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ اُنہوں نے اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا تھا؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے خود سنا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا کہ اے بھائیو! میں تم سب کو آخری السلام علیکم کہتا ہوں۔ پھر اُس نے اپنی تلوار کے نیام کو توڑ دیا اور اس کو پھینک کر میدانِ جہاد میں دشمن کے سامنے گیا۔ اور تلوار چلاتا رہا، یہاں تک کہ یہ یَقْتُلُوْنَ کے ساتھ یُقْتَلُوْنَ کی باری بھی آگئی۔ اور وہ شہید ہوگیا۔ گویا ارشادِ نبوی کے مطابق تلواروں کے سائے میں لڑتا ہوا جنت میں پہنچ گیا۔

محدثِ رزین نے ارشادِ نبوی کے یہ الفاظ الجنۃ تحت ظلال السیوف ابن ابی لیلیٰ کے واسطے سے نقل کیے ہیں۔ ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے ایک اور اسی قسم کا واقعہ منقول ہے فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں عمرو بن اقیش نامی ایک شخص انصارِ مدینہ کے خاندان سے تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ سودی کاروبار کرتا تھا۔ حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد اُس نے ارادہ کیا کہ دوسرے اہل خاندان کی طرح میں بھی مسلمان ہو جاؤں، مگر اپنے دل میں طے کیا کہ پہلے اپنے سودی قرضے وصول کرلوں پھر مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ اُحد کی جنگ کے دن تھے۔ وہ اپنے خاندان والوں کے پاس سودی رقم مانگنے آیا۔ پوچھا فلاں کہاں ہے؟ کہا گیا، وہ اُحد گیا ہوا ہے۔ پوچھا فلاں کہاں ہے؟ کہا گیا کہ وہ بھی اُحد گیا ہوا ہے، اور یوں جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ خاندان کے تمام افراد لڑائی لڑنے کے لیے اُحد کے میدان میں گئے ہیں تو جوش میں آکر اپنی زرہ پہن لی، گھوڑے پر سوار ہوا اور اُحد کی طرف روانہ ہوگیا۔ مسلمانوں نے جب اس کو آتے دیکھا تو کہا اے عمرو ہٹ جا ہمارے پاس

مت آ۔ اسے یوں رد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے نزدیک وہ کافر تھا۔ اُس نے کہا میں تو ایمان لے آیا ہوں۔ یہ کہا اور لڑائی میں شریک ہو گیا۔ اور لڑتا رہا، حتیٰ کہ سخت زخمی ہوا۔ اسی حالت میں اسے اُس کے گھر لایا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اُس کے گھر تشریف لے گئے اور اُس کی بہن سے فرمایا۔ جا کر اُس سے یہ پوچھ کہ تُو جو لڑائی میں شریک ہوا اور لڑتا رہا کیا یہ سب کچھ تو نے اپنے خاندان کی حمیت میں کیا ہے؟ یا سب اللہ تعالیٰ کی خاطر تلوار چلائی ہے جب اُس سے یہ پوچھا گیا تو اُس نے جواب میں کہا۔ غضباً للّٰہ تبارک و تعالیٰ ولرسولہٖ یعنی میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے رسول کی حمایت میں اُن کے دشمنوں پر غضب ناک ہو کر کیا ہے۔ کچھ دیر بعد اُس کی موت واقع ہو گئی۔ اور وہ اللہ کی جنت میں داخل ہو گیا۔ عمرو نے ابھی کوئی نماز نہیں پڑھی تھی۔ بس مسلمان ہوا، لڑا شہید ہوا اور جنتی ہو گیا۔

کتابوں میں بطور لطیفہ کے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے بہت سے لوگوں کے مجمع میں یہ فرمایا۔ ایک مسلمان نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔ ایک روزہ بھی نہیں رکھا۔ ایک درم زکوٰۃ کا بھی نہیں دیا اور جب مر گیا تو مرتے ہی فوراً جنت میں پہنچ گیا۔ بتاؤ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ حاضرین کو حیرانی ہوئی کہ ایک شخص جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی، روزہ بھی نہیں رکھا اور وہ تارک زکوٰۃ بھی تھا تو ایسا شخص جنتی کیسے ہو گیا کہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوا۔ اُس مجمع میں بڑے درجے کے صحابی موجود تھے، لیکن یہ معمہ کوئی حل نہ کر سکا۔ تب حضرت ابوہریرہؓ نے ابوصرمہ (عمرو بن اقیشؓ کی کنیت) کا نام لیا۔ فرمایا کہ ہاں ایسا شخص ابوصرمہ ہے۔ وہ مسلمان ہوا اور مسلمان ہوتے ہی تلوار ہاتھ میں لی، لڑا اور شہید ہو گیا ـــــ نصوص صریحہ کی بنا پر شہید جنتی ہوتا ہے چنانچہ وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو گیا۔ نہ نماز کا وقت آیا کہ وہ نماز پڑھتا۔ نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ وہ روزہ رکھتا۔ نہ سال گذرا تھا کہ وہ مال کی زکوٰۃ ادا کرتا۔ ان فرائض میں سے کوئی فریضہ اُس پر عاید نہیں ہوا تھا۔ الاسلام یھدم ما کان قبلہ اسلام تو سابقہ سارے گناہ اور جرائم بیخ و بن سے اکھیڑ کر ختم کر دیتا ہے۔ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا اور بالکل پاک و صاف ہو گیا۔

بخاری اور مسلم میں یہ روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا انصار میں سے ایک شخص اسلحہ پہنے ہوئے رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا اور کہا: "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و انک عبدہٗ و رسولہ" پھر آگے بڑھا، لڑائی کی اور شہید ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عمل ھذا یسیراً و اجر کثیرا۔ اس نے عمل تو تھوڑا کیا اور اس کو اجر بہت ملا۔ غالباً یہی عمرو بن اقیش مراد ہیں اور انہی کا واقعہ ہے۔

عام طور پر حضرات صحابہ کرام کا ذوقِ شہادت ایسا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانی کا جذبہ اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس دور کے مسلمانوں کا مقصدِ زندگی یہ تھا کہ دین اسلام کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے اپنی زندگی قربان کر کے حیاتِ جاودانی حاصل کریں۔ وہ جو اقبال مرحوم نے نظیری کے مصرعہ کی تعریف کی ہے۔ یہ اس لیے کہ اس نے مسلمانوں کا نظریہ زندگی بہ حسن و خوبی اس مصرعہ میں ادا کیا ہے۔ اقبالؒ نے کہا ہے کہ:

؎ بہ ملکِ جم نہ دہم مصرعۂ نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

امام بغویؒ نے شرح السنہ میں ایک روایت نقل کی ہے، جو مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے کہ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کے فوجی جرنیلوں کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یوں تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خالد بن ولید کی طرف سے رستم، مہران اور دوسرے ایرانی جرنیلوں کے نام۔

سلام ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی پیروی کرتے ہوں۔ اس کے بعد میں تم کو یہ لکھتا ہوں۔ ہم تم سب کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم اس کو نہیں مانتے تو پھر تابع فرمان اور زبردست ہو کر جزیہ دینا مان جاؤ، صلح ہو جائے گی۔ اگر یہ بھی نہیں مانتے تو پھر لڑائی ہوگی اور یاد رکھو کہ میرے ساتھ میری فوج میں ایسے جان نثار لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مقتول ہونا اس قدر پسند کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں جیسا کہ

تم ایرانی لوگ شراب کو پسند کرتے اور اس سے محبت کرتے ہو اور مسلمان اس پر جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔

اس گرامی نامے میں حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کی شان یہ بیان کی کہ وہ شہادت فی سبیل اللہ کے عاشق ہیں اور موت کے عاشقوں کا مقابلہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں کر سکتی۔ ان کے مقابل ہر قوت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم کو اپنی کثرتِ تعداد، جنگی مہارت اور اپنے اسلحہ پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ لڑائی ہوئی تو میدان ہمارے ہاتھ ہوگا۔ اور یہ محض دعوے نہیں تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ انجام کیا ہوا۔ موت کے ان عاشقوں کے سامنے ساسانی حکومت کہاں ٹھہر سکی۔ گنتی کے چند دنوں میں: اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعد کی نبوی پیش گوئی پوری ہو گئی۔

محدث نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ ان کا بیان ہے: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفیر کی حیثیت سے ایرانی جرنیل کے پاس تشریف لے گئے اور باہمی گفتگو ہوئی، تو جرنیل نے پوچھا۔ آخر تم لوگوں نے ایران جیسے عظیم ملک پر حملہ کرنے کی جرأت کیسے کی؟ تمہاری تلواریں ٹوٹی ہوئی، نیزے کند ہیں اور گھوڑے معمولی ہیں۔ کوئی جنگی ساز و سامان بھی نہیں۔ یہ تم نے کیا ناسمجھی کا فیصلہ کیا ہے؟"

حضرت مغیرہؓ نے بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ فرمایا: "اخبرنا نبینا عن رسالة ربنا انہ من قتل منا صار الی الجنہ فلنحن احب فی الموت منکم فی الحیٰوة" ہم کو ہمارے نبیؐ نے ہمارے پروردگار کا یہ پیغام سنا کر خبر دی ہے کہ ہم میں سے کوئی جہاد میں قتل ہو جائے تو قتل ہوتے ہی وہ جنت میں جائے گا اور اس خبر پر ایمان و یقین کرنے کی وجہ سے ہمیں موت اس سے زیادہ محبوب ہے جس قدر تم ایرانیوں کو اپنی زندگی محبوب ہے"

اس کے بعد ایرانی جرنیل کو کچھ اور کہنے کی کیا جرأت ہوتی۔ ڈرانے دھمکانے اور اپنی طاقت و قوت دکھانے اور مسلمانوں کے ظاہری ضعف کی طرف اشارہ کرنے سے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ حضرت مغیرہ خوف زدہ ہو جائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے کہا کہ ہم تو موت کے عاشق ہیں، زندگی ہمیں اتنی عزیز نہیں جتنی موت محبوب ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

تو ایرانی جرنیل خود خوف زدہ ہو گیا۔ جب لڑائی ہوئی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ جنت کی خاطر موت سے محبت کرنے والے کم تعداد مجاہدین نے ایرانیوں کے بڑے لشکر کا صفایا کر دیا۔ یہی وہ جذبۂ شہادت اور اللہ کی راہ میں جان کی پروا نہ کرنے کا نظریہ تھا۔ جس کی بنیاد پر صحابہ کرام اور بعد میں اُن کے پیروکاروں نے اسلام کا جھنڈا مشرق و مغرب میں لہرا دیا۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے اندلس فتح کر کے اسلام کا عَلم یورپ کے سینے میں جا گاڑا جب طارق اپنی کشتیاں جلا رہا تھا تو اُس کے ہونٹوں پہ "ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست" کا نعرہ مستانہ تھا۔ اُس کا فیصلہ تھا کہ واپس تو جانا نہیں یا تو دار الکفر کو دار الاسلام بنا کر اس ملکِ خدا میں خدا کا قانون چلائیں گے یا اپنی جانیں دے کر شہدا کی حیاتِ ابدی حاصل کریں گے۔

یہی جذبہ تھا جس کے بل پر محمد بن قاسم جیسا نوعمر سپہ سالار سندھ فتح کرتا ہوا ملتان تک پہنچ گیا تھا۔ اور شرک و کفر کے دیار میں کلمہ طیبہ کا جھنڈا بلند کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

اسی جذبے سے سرشار ہو کر محمود غزنوی نے ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی شمع روشن کی۔

بختیار خلجی صرف اٹھارہ سواروں کے ساتھ بنگال کے شہر لکھنوتی میں فاتحانہ داخل ہوا تو اُس کا رہنما بھی یہی شوقِ شہادت تھا۔ عقلِ حیلہ جُو کے اعتبار سے اٹھارہ سواروں کے ساتھ ملک فتح کرنے کا ارادہ ایک بڑی حماقت تھی مگر ؎

بے خطر کُود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اور عقلِ بہانہ ساز لبِ بام کھڑی تماشا دیکھتی رہی اور حیران ہوتی رہی۔ بختیار خلجی کا جذبۂ شہادت کامیاب ہوا لکھنوتی شہر فتح ہو گیا۔

یہی شوقِ شہادت تھا جو نوجوان سپہ سالار مسعود غازی کو میدانِ جہاد میں لایا۔ وہ کہاں سے چلا تھا اور کہاں پہنچا۔ عین وسط بُت کدہ ہند کے وسط میں تھا۔ وہاں جا کر راہِ خدا میں لڑا اور شہید ہو کر زندۂ جاوید ہو گیا۔ اُس دور کے بڑے بڑے نامور راجے مہاراجے وزرا امرا

گمنام ہو گئے۔ عام لوگ تو کیا جانیں تاریخوں میں بھی اُن کا نام نہیں، مگر سید مسعود سالار غازیؒ کا نام زندہ و تابندہ ہے۔ ہندو بھی غازی شہید کا نام سن کر عقیدت و احترام سے سر جھکاتے ہیں۔ اور یقیناً یہ ساری فضیلت شہادت فی سبیل اللہ کی ہے۔

دعوٰی بھی کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عظیم کارنامے وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جنہیں جان کی پروا نہ ہو۔ حضرت مغیرہؓ نے ایرانیوں سے جو یہ کہا تھا کہ میرے ساتھی وہ ہیں جن کو موت سے محبت ہے تو یہ امر واقعہ تھا۔ وہ واقعی موت کے متلاشی تھے۔

جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد بن ولید صرف ۶۰ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ۶۰ ہزار رومی لشکر کا مقابلہ کیا۔ یہ افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ اور اس کو اس لیے حقیقت ماننے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ جو سر بکف ہو کر میدان میں نکلے، جو جان نثار ہو، جو شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو سچے دل سے کر رہا ہو وہ تو تن تنہا بھی ۶۰ ہزار کے مقابلے میں آسکتا ہے۔ موت سے خوف زدہ ہونے کے بجائے وہ تو خود چاہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں۔ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

یہ شعر مردم شماری کے رجسٹر میں مذہب کے خانہ میں مسلمان لکھنے والے عام مسلمانوں کے بارے میں نہیں، بلکہ اُن مومنین، صادقین و صالحین و عاملینِ بالقرآن والسنۃ کے متعلق ہے جو اپنی زندگی کو اللہ کی امانت خیال کرتے ہیں، جو موت سے نہیں ڈرتے، موت خود اُن سے ڈرتی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ نے کس قدر خطرات اور شدید لڑائیوں میں ساری عمر گذاری۔ ہر معرکے میں پوری جرأت و جسارت کے ساتھ کثیر التعداد لشکروں کا مقابلہ کیا اور بارہا زخمی ہوئے۔ یہ سب کچھ ذوقِ شہادت ہی کا کرشمہ تھا اُنہیں شہید ہونے کی آرزو تھی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اسے ان کی کہا جاسکتا ہے کہ میدان جنگ میں موت اُن کے سامنے نہیں آئی۔

کہتے ہیں کہ آخری عمر میں بیمار ہوئے اور جب یقین ہو گیا کہ اب طبعی موت آئے گی تو ایک تاریخی فقرہ

ارشاد فرمایا کہ میرے بدن پر ستّر مہلک زخم لگے ہیں، ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں کہ وہاں تلوار نہ لگی ہو، نیزوں نے نہ چھید اگیا ہو۔ میں نے ہمیشہ میدان قتال میں مرنے کی آرزو کی، مگر آج بستر پر جان دے رہا ہوں۔

میں نے ابتداء میں عرض کیا ہے کہ جو صدقِ دل سے شہادت کی تمنا کرے وہ اگر اپنی موت بھی مر جائے تو وہ عند اللہ شہید ہے۔ اس لیے ان روایات کی بنا پر حضرت خالدؓ بھی شہدا میں شامل ہیں۔ یہ بات خود انہیں بھی معلوم تھی انہوں نے حسرت کی تو اس کا مقصد دوسروں کو یہ بتانا تھا کہ الٰہی احکام کے مقابلے میں زندگی کوئی قیمتی چیز نہیں۔

صدرِ اوّل میں مسلمان مجاہدین کی فتوحات کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے ارادہ سے سرحدوں پر جاتے تھے اور اُن کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہ ہوتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کے ان ملکوں میں خدا کے باغیوں نے اپنا جو خود ساختہ نظام جاری کر کے ظلم و جور کا بازار گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ اللہ کا قانون نافذ کریں اور باغیوں سے یا تو خدا کا قانون منوائیں یا لڑ کر اُن کا قلع قمع کر دیں۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للّٰہ

یہ اقامتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہمارا مطمع نظر ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے ہمارا خون بہے، ہماری جان جائے، یا ہم ٹکڑے ٹکڑے ہوں اس کی پروا نہ کریں۔ یہ کام بہرحال سرانجام دیا جائے گا۔ اور ہر مزاحم قوت سے خواہ وہ کتنی بھی عظیم ہو، ٹکرائیں گے۔ ولست ابالی حین اقتل مسلماً علیٰ ای جنب کان فی اللہ مصرعی۔

جب مسلمان یہ نظریہ اور یہ جذبہ لے کر میدان میں آتے رہے کوئی اُنہیں نیچا نہیں دکھا سکا۔ ان کے مقابلے میں آکر بڑی سے بڑی قوت بھی پاش پاش ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس طرح وہ اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے اسلام کا جھنڈا گاڑتے ہوئے اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھڑاتے ہوئے وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اُنہوں نے یہی سمجھا تھا اور اس پر یقین کیا تھا کہ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے جان لٹا دی تو شہید اور جنتی، اور زندہ

واپس لوٹے تو غازی، اجر و ثواب کے مستحق اور حلال طیب مالِ غنیمت سے مالا مال۔ گویا از اوّل تا آخر بہ نفع ہی کا کاروبار تھا۔

آپ خود سوچیے کہ جب نظریہ یہ ہوا اور اسی کی بنیاد پر کوئی میدان جہاد میں نکلے تو اُس کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے اسلاف کے سامنے کوئی بھی نہ ٹھہر سکا۔ جس طرف انھوں نے رُخ کیا۔ فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے اور نصرتِ خداوندی نے اُن کا استقبال کیا۔ بہ قول علامہ اقبالؒ ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

اور

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ان شہدائے اسلام کے خون کی آبیاری سے گلشنِ توحید ہرا ہوا، سرسبز و شاداب ہوا۔ اُن کی قربانیوں کے طفیل دُنیا بھر میں پوری مسلمان قوم کو عزت و آبرو، فاتحانہ جلال، اور قوانینِ الٰہی پھیلانے اور چلانے کے لیے رُوئے زمین پر اقتدار اور حاکمانہ اقتدار نصیب ہوا اور واقعات کی شہادت سے یہ ثابت ہوگیا۔

ع شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

جب عقیدتوں میں کمزوری آگئی۔ زندگی کا نظریہ بدل گیا اور دُنیا کی محبت آخرت کی طلب پر غالب آگئی، تو اس کے بالعکس نظریے کا نتیجہ بھی اُلٹا نکلا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشین گوئی کی تھی جو ابوداؤد اور بیہقی میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایک ایسا دور آئے گا کہ کافروں کے مختلف گروہ اکٹھے ہوکر تمہارے مقابلے میں لڑنے کے لیے ایک دوسرے کو یوں بُلائیں گے جس طرح کھانے والے کسی کھانے کے پیالہ میں سے کھانا کھانے کے لیے بُلایا کرتے ہیں۔ (یعنی تم کو لقمہ تر سمجھ کر کھانا اور ختم کرنا چاہیں گے)

کر آؤ سب مل کر اسے کھائیں۔ یہ سن کر ایک کہنے والے نے کہا۔ حضور، کیا یہ اس لیے ہوگا کہ ہم مسلمانوں کی تعداد اس وقت بالکل کم ہوگی اور اس لیے وہ ہم پر غالب ہو کر ہضم کرنا چاہیں گے؟ فرمایا، نہیں اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ ولکنکم غثاءٌ لغثاء السیل۔ لیکن تم ایسے کمزور ہو گے اور بے وزن اور ہلکے ہو جاؤ گے جیسا کہ سیلاب کی جھاگ، اللہ تعالیٰ دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رُعب نکال دے گا۔ وہ تم سے نہیں ڈریں گے۔ اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا۔ یعنی سُستی، بے ہمتی، بزدلی۔ کہنے والے نے پوچھا کہ یارسول اللہ ما وھن کہ یہ وہن کیسے ہوگا اور وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ دُنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔

مومن آخرت کی زندگی کو حقیقی زندگی سمجھ کر دنیا کی اس چند روزہ زندگی اور اس کی نعمتوں پر اسے ترجیح دیتا ہے، لیکن جو اس دنیا سے محبت کرے، یہاں کی چند روزہ زندگی ریجھ جائے، وہ عاقبت سے بے پروا ہو کر اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتا۔

خواتین کیلیے تین خوبصورت کتابیں

۱۔ شمعِ حرم	محمد یوسف اصلاحی	۱۲/- روپے
۲۔ عورت اور اسلام	جلال الدین عمری	۹/- ″
۳۔ عورت قرآن کی نظر میں	شبیمہ محسن	۱۲/- ″

البدر پبلی کیشنز۔ ۲۳۔ راحت مارکیٹ۔ اُردو بازار لاہور